5

فتنے اور آزمائشیں روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں

(فرمودہ ۱۸؍فروری ۱۹۱۶ء)

تشہّد وتعوّذ وسورۂ فاتحہ اور مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ○

(العنکبوت ۲ تا ۴)

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے پھر مجھے آپ لوگوں کے سامنے بولنے کی توفیق دی۔ مجھے اس وقت بھی تپ ہے اور راستہ میں چکر بھی آ گیا تھا پہلے تو میرا ارادہ کچھ بولنے کا نہ تھا۔کل مَیں نے ڈاکٹر صاحب سے اتنی اجازت لی تھی کہ جمعہ کی نماز میں شامل ہو جاؤں۔لیکن جب چلنے لگا تو خدا تعالیٰ نے اتنی ہمت دے دی کہ خطبہ بھی مَیں ہی پڑھا دوں۔

انسان اور حیوان میں بہت بڑا فرق ہے۔اور وہ بڑا فرق دنیاوی لحاظ سے تمدّن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اور دینی لحاظ سے اس فرق کو مذہب کہتے ہیں تو دو طرح کا فرق ہے۔دنیاوی لحاظ سے تو یہ ہے کہ انسان میں تمدّن ہے اور حیوان میں نہیں ہے۔اور دینی لحاظ سے یہ کہ انسان کے ساتھ ایک دین لگا ہوا ہے اور حیوان کے ساتھ نہیں ہے۔گو حیوان کے ساتھ بھی ایک طرح کی اطاعت اور فرمانبرداری تو ہے اور ایک رنگ میں وہ عبادت بھی کرتا ہے لیکن اس کے افعال میں قدرت نہیں۔اسے بھلائی برائی کے انتخاب کا اختیار نہیں دیا۔بلکہ جس طریق پر اسے چلا دیا گیا ہے اسی پر وہ چلتا رہے گا۔لیکن انسان کے کاموں میں قدرت اور اندازہ کا دخل ہوتا ہے۔اور اس کے لئے بُرا اور بھلا دونوں رستے کھلے ہوتے ہیں۔تا کہ ان میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔اور یہ بات انسان کے اختیار میں ہوتی ہے کیونکہ بھلے اور بُرے راستے کا اختیار کرنا اس کے انتخاب پر چھوڑا جاتا ہے اور قبل از وقت اسے بتا دیا جاتا ہے کہ بھلا راستہ کون ہے اور بُرا کون۔سُکھ کس میں ہے اور دُکھ کس میں۔آرام کس میں ہے اور تکلیف کس میں۔فائدہ کس میں ہے

اور نقصان کس میں ۔تو انسان اور حیوان میں دو فرق ہیں ۔ دنیاوی لحاظ سے جو فرق ہے اسے تمدّن کہا جاتا ہے یعنی انسان اپنی نسل اور قوم کے فوائد کے لئے دوسرے انسانوں سے مل کر کام کرتا ہے۔ چونکہ ایک انسان کے کام سے دوسرے کو نفع پہنچتا ہے اس لئے تمام انسان مل کر یا انسانوں کا ایک بہت بڑا حصّہ مل کر ایک دوسرے کے فائدہ اور نفع کی کوشش کرتا ہے لیکن حیوانوں میں یہ بات نہیں ہے یہ صرف انسانوں میں ہی ہے۔دوسرے انسان کو اچھے اور بُرے نیک اور بد نفع اور نقصان میں تمیز کرنے اور اپنے اختیار سے ان دونوں راہوں میں سے ایک پر چلنے والا بنایا گیا ہے لیکن یہ بات حیوانوں میں نہیں ہے۔پس جو انسان انسان ہو کر ان دونوں قسم کے فرقوں کو نہیں جانتا۔وہ جانور سے ممتاز نہیں ہو سکتا اور وہ انسان ہی نہیں ہے بلحاظ جسمانی تعلقات کے اگر انسان میں تمدّن نہیں ہے اور بلحاظ روحانی تعلقات کے اگر انسان مذہب اور دین کا پابند نہیں ہے تو اس میں اور سؤر بندر ریچھ وغیرہ جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔تمدّن کے متعلق اس وقت ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت ہے۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو دنیا کے علوم اور فوائد میں منہمک ہیں ۔ہمیں سوائے اس کے کہ اس وقت جبکہ تمدّن مذہب اور دین میں داخل ہو جائے اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے مَیں اس وقت مذہب کے متعلق ہی کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

روحانی لحاظ سے انسان اور حیوانوں میں مذہب کا فرق ہے۔انسان کسی نہ کسی مذہب کا قائل ہوتا ہے اور حیوان نہیں ہوتے ۔ان کے لئے کوئی تازہ شریعت نہیں آتی ۔ بلکہ ان کی فطرت میں ہی ابتداء سے جو کچھ ودیعت کر دیا گیا ہے وہی ہے مگر انسان کو وحی اور الہام کے ذریعہ سے شریعت سے آگاہ کیا جاتا ہے۔اور حیوانوں میں سے ہر ایک کو ایسی وحی کی جاتی ہے جو اس کی فطرت کے متعلق ہوتی ہے۔

مگر انسانوں میں سے ایک حصّہ کو وحی سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ یوں تو فطرتاً ہر ایک انسان کو بھی وحی کی جاتی ہے مگر وہ وحی جو مذہب کے متعلق ہوتی ہے وہ ہر ایک کو نہیں ہوتی بلکہ انہی انسانوں کو ہوتی ہے جو حقیقت میں عابد اور عبد بنتے ہیں اور پھر جو اس وحی پر عمل کرتے اور جو مدعا اس میں پایا جاتا ہے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ دوسرے انسانوں کے لئے

نمونہ ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ممتاز کئے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کا نام بندہ اور انسان رکھا ہے۔

درحقیقت وہی انسان ہوتا ہے جو اپنے اندر دو انس رکھے۔ ایک خدا سے اور ایک اس کے بندوں سے اور وہی عبد ہے جو عبودیت میں اپنے جسم اور روح کو لگا دیتا ہے کہنے کو تو جانور بھی کہہ سکتا ہے کہ مَیں انسان ہوں۔ لوگ طوطے کو سکھاتے ہیں کہ کہو ''میاں مٹھو''۔ لیکن اگر کوئی اسے یہ سکھا دے کہ ''مَیں انسان ہوں'' تو وہ یہی کہنے لگ جائے۔ لیکن اس کے کہنے سے وہ انسان نہیں بن جائے گا۔ کیونکہ انسان کے اندر جو خواص اور باتیں ہونی چاہئیں وہ اس کے اندر نہیں ہیں۔ کیا یہ طوطے کی شکل وصورت کا قصور ہے کہ وہ باوجود اس کے کہ کہتا ہے کہ میں انسان ہوں انسان نہیں ہوسکتا۔ اور کیا اگر موجودہ انسان طوطے کی شکل کے ہوتے تو انسان نہ ہوتے۔ پھر کیا اگر حیوان انسان کی شکل کا ہو تو وہ انسان ہوسکتا ہے۔ مثلاً بہت سے بندر اور مچھلیاں ایسی ہیں کہ انسان کی شکل سے بہت بڑی مشابہت رکھتی ہیں مگر انسان نہیں ہیں۔ ان کا منہ سر کان۔ انگلیاں وغیرہ انسانوں کی طرح کی ہوتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو انسان نہیں کہا جاتا۔ اور مچھلیوں اور آدم کی اولاد میں وہ کیا فرق ہے جو ان کو علیحدہ رکھتا ہے یہی کہ وہ مذہب کی اس رنگ میں پابند نہیں ہیں۔ جس رنگ میں انسان پابند ہیں۔ ان کو وہ سمجھ اور عقل نہیں ہے جو انسانوں کو متمدن اور عقل مند بناتا ہے۔ پس اگر انسانی شکل کسی حیوان کی ہو جائے تو وہ انسان نہیں ہوسکتا۔ اور اگر انسان کی موجودہ شکل بدل کر کسی اور طرح کی بنا دی جائے تو وہ حیوان نہیں ہو جاتا۔ کئی آدمی ایسے ہوتے ہیں جو بہت بدشکل ہوتے ہیں اور بندر کی طرح ان کی صورت ہوتی ہے مگر وہ بندر نہیں ہوتے۔

پس وہ چیز جو انسانوں اور حیوانوں میں مابہ الامتیاز ہے اگر اسی کے حاصل کرنے یا حاصل کردہ کے قائم رکھنے میں انسان کوشاں نہ ہو تو کیا وہ انسان ہوسکتا ہے۔ ایسا انسان صرف لفظی انسان ہے حقیقی نہیں۔ اور حیوانوں سے بدتر ہے کیونکہ حیوان جس قانون کے ماتحت رکھے ہوتے ہیں وہ اس میں نافرمانی نہ کرسکتے ہیں اور نہ کرتے ہیں مگر انسان کو جس قانون کا پابند قرار دیا جاتا ہے وہ اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جاتا ہے اور مخالفت کرتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ انسانیت

سے بالکل دور جا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی انسان انسانیت کو چھوڑتا ہے تو ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ ایک کتّے اور ایک چڑیا کی خدا تعالیٰ کے حضور قدر ہوتی ہے مگر اس کی نہیں ہوتی۔

ایک کتّے کی خدا تعالیٰ کے نزدیک قدر ہوتی ہے مگر انسان کی نہیں ہوتی ایسے موقع پر خدا تعالیٰ کے سامنے انسان ایک بدترین مخلوق ہوتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کہانی کے رنگ میں سنایا کرتے تھے اور اس قسم کی باتیں لکھنے والوں نے لکھی ہیں۔ معلوم نہیں سچی ہیں یا جھوٹی۔ بعض باتیں نصیحت کے طور پر لکھی جاتی ہیں اور بعض کی کچھ اصلیت بھی ہوتی ہے اور بعض کی نہیں۔ اسی طرح کسی نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت جو طوفان آیا تو ایک چڑیا کا بچہ پہاڑ کی چوٹی پر پیاسا تھا۔ ماں باپ اس سے جدا ہو چکے تھے اور وہ بہت سخت پیاسا ہو رہا تھا۔ طوفان جو بڑھتا گیا تو آخر اس پہاڑ کی چوٹی تک بھی پہنچا اس وقت اس چڑیا کے بچہ نے پانی پی لیا۔ یہ واقعہ سچا ہے یا جھوٹا اس سے ہمیں بحث نہیں لیکن اس میں جو حکمت ہے وہ بہت سچی ہے اور وہ یہی ہے کہ جب انسان خدا کے مقرر کردہ قوانین کو توڑ کر اس کے مقابلے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کے نزدیک حیوانوں کی قدر ہوتی ہے۔ مگر اس کی نہیں ہوتی۔ کیوں اس لئے کہ حیوان خدا تعالیٰ کے نافرمان نہیں ہوتے اور یہ ہوتا ہے۔ پھر حیوانوں کی خاطر خدا تعالیٰ انسانوں کے تباہ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ اس وقت انسان کی جان بے قیمت اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

غرض انسان اسی وقت تک انسان ہے جب تک کہ اس میں انسانیت قائم ہے۔ اور روحانی لحاظ سے انسانیت یہی ہے جس سے اس میں اور حیوانوں میں فرق ہے کہ اس کی روح ترقی کر کے اسے خدا تعالیٰ کا مقرب بنا دے۔ اگر کوئی انسان اس قرب کو حاصل نہ کرے یا اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اور اس راہ میں صبر اور استقلال کو کام میں نہ لائے تو وہ انسان نہیں ہے۔ انسان کو حیوان سے جو یہ امتیاز حاصل ہے تو یہ اس پر ایک ایسا انعام ہے جو اس دنیا کی کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ جب کوئی انسان اس انعام کو حاصل کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قرب میں پوری پوری ترقی کرنی شروع کر دیتا ہے۔ تو

اس کے لئے ایسے درجے کھل جاتے ہیں جو فرشتوں کو بھی حاصل نہیں یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے وہاں جبرائیل نہیں جا سکے جبرائیل ہرکارہ تھے اور بھیجنے والا خدا اور جس کو خط بھیجا گیا تھا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ گو جبرائیل کا درجہ دوسرے انسانوں کے مقابلہ میں کتنا ہی بڑا ہو۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ہرکارے کی حیثیت تھی کیونکہ ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا کرتا تھا۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی عزّت تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک ایک وحی کے ساتھ ہزاروں فرشتے اُترا کرتے تھے۔ یہ اسی لئے کہ خدا تعالیٰ اتنے فرشتوں کو ایک کلام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیج کر بتاتا تھا کہ یہ ہمارا ایسا پیارا ہے کہ اس کے مقابلہ میں جو ہمارے بڑے پیارے ہیں وہ بھی ادنیٰ ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس شان کا کلام ہوتا۔ اسی قدر زیادہ فرشتے ساتھ آتے۔ ورنہ فرشتے اس لئے نہیں آتے تھے کہ کلام کے پہنچانے میں کوئی ڈر تھا۔ اس لئے حفاظت کے لئے ساتھ فرشتے بھیجے جاتے تھے۔ کلام تو یوں بھی محفوظ ہی تھا اور کسی کی کیا طاقت تھی کہ اس میں کچھ دخل دیتا۔ تو انسان بہت قرب اور مدارج حاصل کرسکتا ہے اور اس قدر حاصل کر سکتا ہے کہ ملائک کے لئے بھی وہ مدارج نہیں ہیں۔

پس جب انسان کے لئے اتنے مدارج ہیں تو ضرور ہے کہ اس کے لئے خطرات بھی اتنے ہی بڑے ہوں کیونکہ بڑے انعام کے ساتھ بڑے ہی خطرات ہوتے ہیں یہ آیات جو مَیں نے پڑھی ہیں ان میں اسی طرف خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ فرمایا خدا کے لئے مومن ہونا اور اس کی فوج میں داخل ہونا اور اس کا مقرب اور پیارا ہونا کوئی ایسی چھوٹی سی چیز نہیں ہے کہ منہ سے کہا اور ہو گیا۔ صرف اٰمَنَّا کے کہنے سے کوئی مومن نہیں ہو جاتا۔ دیکھو دنیاوی گورنمنٹیں جب سپاہیوں کو بھرتی کرتی ہیں تو ان کے ہر ایک عضو کا معائنہ کراتی ہیں۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ ہاتھ پاؤں قد۔ چال چلن وغیرہ تک دیکھتی ہیں اور بڑی شرائط کے بعد فوج میں داخل کرتی ہیں۔

تو کیا خدا تعالیٰ کی فوج میں داخل ہونے کے لئے کسی امتحان کی ضرورت نہیں اور کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ صرف اٰمَنَّا کہہ دینے سے کوئی مومن ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ ہر ایک بات کو جاننے والا ہے اور اس کے

قرب کے ذرائع بہت وسیع ہیں حتیٰ کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔اسی طرح اس کا امتحان بھی بہت بڑا ہے۔اس لئے جو انسان اس بات کے لئے کھڑا ہو کہ مَیں خدا کا قرب حاصل کروں اور صحیح معنوں میں انسان بنوں وہ یہ مت سمجھے کہ صرف منہ سے اٰمَنَّا کہنے سے وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکے گا بلکہ اس کے لئے بڑی آزمائش میں سے گزرنا ہوگا اور جب وہ اس میں پکّا ثابت ہوگا تو اس قابل سمجھا جائے گا۔کہ خدا کا قرب حاصل کرے ورنہ اس کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں ہوگا۔

ان آیتوں کے پہلے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔الٓمّٓ۔یہ فرما کر خدا تعالیٰ نے انسان کو ڈانٹا ہے۔کہ دیکھو دھوکہ انسان کو دیا جا سکتا ہے اور انسان بسا اوقات دھوکہ کھا بھی جاتا ہے کیونکہ وہ ہر ایک چیز کے متعلق علم نہیں رکھتا۔لیکن خدا چونکہ ہر ایک چیز کا علم رکھتا ہے اس لئے وہ کسی دھوکہ دینے والے کا دھوکہ نہیں کھا سکتا۔اس کے سامنے کسی کے دھوکہ سے یہ کہہ دینے سے کہ مَیں ایمان لے آیا وہ مومن نہیں ہوسکتا۔کیونکہ الٓمّٓ یعنی اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ اللہ بہت بڑا جاننے والا ہے۔

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی سے محبت جتلاتے ہیں۔دوستی ظاہر کرتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر کہہ دیتے ہیں کہ مَیں آپ کے قربان جاؤں اور سننے والا بھی سمجھتا ہے کہ واقعہ میں اس کو مجھ سے بڑا پیار اور محبت ہے اور یہ میرے لئے جان قربان کرنے کے لئے تیار ہے لیکن جب کوئی موقعہ پیش آتا ہے تو محبت پیار اور دوستی کی ساری حقیقت کھل جاتی ہے۔مگر خدا تعالیٰ جو دلوں کا واقف ہے اور انسان کی ہر ایک پوشیدہ سے پوشیدہ بات کو جانتا ہے وہ کہاں فریب کھا سکتا ہے۔وہ خوب جانتا ہے اور اپنے جاننے کا ثبوت اس طرح دیتا ہے کہ انسان کو فتنہ میں ڈالتا ہے۔بہت انسان ایسے ہوتے ہیں۔جو خود بھی نہیں جان سکتے کہ ہماری محبت خدا تعالیٰ سے جھوٹی ہے یا سچی۔ان پر بھی خدا تعالیٰ فتنہ میں ڈال کر کھول دیتا ہے کہ تم اپنے نفس کے متعلق نہ سمجھتے تھے مگر ہم خوب جانتے تھے اور اب تم کو بھی معلوم کرا دیا ہے۔

کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس کے دھوکہ میں آ کر اپنے آپ کو بہادر سمجھتا ہے مگر تھوڑے سے خطرہ اور ڈر سے اسے اپنی بزدلی کا علم ہو جاتا ہے۔بارہا ایسا ہوتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ فلاں سے مجھے بڑی محبت ہے۔مگر

ذرا سی بات سے اس سے ایسا دور ہو جاتا ہے کہ گویا کبھی تعلق ہی نہ تھا۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتا ہے مگر ذرا سی بات پر اس کے علم کی قلعی کھل جاتی ہے۔ تو انسان اپنے نفس کو غلط سمجھتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اور اس کے اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ کا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسان کے نفس کو فتنہ میں ڈال کر بتا دیتا ہے کہ مَیں زیادہ جاننے والا ہوں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فرمایا۔ کہ ہم نے پہلے لوگوں کو بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالا تھا۔ اور ان کی بڑی بڑی آزمائشیں کی تھیں۔ پس ضرور ہے ان سے پچھلوں کی بھی اس طرح آزمائشیں کی جائیں۔ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔ پس ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو فتنہ میں ڈال کر سچے اور جھوٹے صادق اور کاذب کو الگ الگ کر دے۔

غرض انسان کے لئے جس طرح خدا تعالیٰ کے قرب کے دروازے کھلے ہیں اور اس کے لئے انسانیت کے قائم رکھنے کے لئے ذرائع موجود ہیں اور اس پر یہ احسان کیا ہے کہ اسے انسان بنا کر باقی تمام مخلوق پر فضیلت بخشی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششوں کی بھی ضرورت ہے اور بڑے بڑے کٹھن امتحانوں سے گذرنا پڑتا ہے تب جا کر اسے حقیقی انسانیت کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ شکل تو انسان کی ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ حیوان ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمدّن کو قائم رکھنے کے لئے کس قدر جدوجہد اور کوشش کی جا رہی ہے۔ اور کیسی کیسی قربانیاں کی جاتی ہیں اور وہ لوگ جو دنیاوی رنگ میں انسانیت کے فرق کو نمایاں کر رہے ہیں کس قدر اس میں کوشاں ہیں۔ آج ہی مجھے اخبار میں ایک خبر پڑھ کر سخت حیرت ہوئی ہے کہ یورپ کی عورتوں کا اتنا حوصلہ ہے کہ ہمارے مردوں کا بھی اتنا نہیں ہے۔ ابھی انگلستان میں بھرتی ہو رہی ہے۔ اس کے متعلق واقعہ ہے کہ ایک بُڑھیا کے پاس بھرتی کرنے والا گیا اور اسے کہا کہ تمہارا کوئی لڑکا بھرتی ہوا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا میرے نو لڑکے ہیں جن میں سے اس وقت تک آٹھ بھرتی ہو چکے ہیں ان میں سے چار لڑائی میں مارے گئے ہیں۔ دو زخمی پڑے ہیں اور دو لڑائی پر ہیں۔ اب ایک باقی ہے اگر اس کی بھی بادشاہ کو ضرورت ہے تو حاضر ہے بھرتی کر لو میری

طرف سے کوئی عذر نہیں ہے۔ دیکھو کیا ہمت اور کیا حوصلہ ہے تو یہ قومیں تمدّن قائم رکھنے کے لئے نسل۔ مال۔ دوست اور مددسب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ اس مقابلہ کا حال ہے جو انسانوں کا حیوانوں کے مقابلہ میں جسمانی طور پر کہلاتا ہے۔

لیکن بتلاؤ کہ حیوانوں کے مقابلہ میں جو روحانی فرق ہے اس کو قائم رکھنے کے لئے کس قدر کوشش اور محنت کی ضرورت ہے۔ روحانی مقابلہ یعنی مذہب کے سامنے اس جسمانی مقابلہ یعنی تمدّن کی حیثیّت ہی کیا ہے اور یہ چیز ہی کیا ہے اس کا اثر تو زیادہ سے زیادہ انسان کی بڑی سے بڑی سوسوا سو سال تک کی زندگی سے ہے۔ مگر مذہب کا اثر نہ صرف اس زندگی کے ساتھ ہے بلکہ اس زندگی کے ساتھ بھی ہے جو ابدالآباد تک کی ہے۔ پھر تمدّن کے لئے جو کوشاں ہے وہ اگر اس جدو جہد میں مرجائے تو اس کے لئے کوئی انعام اور فائدہ نہیں مگر جو خدا تعالیٰ کے قرب کے حاصل کرنے اور صداقت اور راستی کے پھیلانے کے لئے اپنی جان قربان کردے اس کا انعام کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ملک اور قوم کی حفاظت کرتے ہوئے جو مارا جاتا ہے۔ اس کی ذات خاص کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اگر اس کا تمام ملک تباہ ہو جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں اور اگر بچ جائے تو اسے کوئی نفع نہیں۔ مگر مذہب کے لئے جو کوئی اپنی جان اور مال قربان کرتا ہے۔ اگر وہ مرجاتا ہے یا مارا جاتا ہے۔ تو اسکا انعام بجائے بند اور ضائع ہونے کے اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ تمدّن کے لئے جانیں قربان کرنے والوں کو انعام دینے والے انسان ہیں جن کی طاقت اور قدرت موت سے ورے ورے انعام دے سکتی ہے۔ مگر وہ جو مذہب کے لئے قربان ہوتے ہیں ان کا انعام دینے والا خدا ہے جس کا دستِ تصرّف اس دنیا میں بھی ہے اور موت کے بعد آگے بھی۔ اس لئے وہ موت کے بعد بھی انعام واکرام دیتا ہے۔

ہماری جماعت کے لئے اس زمانہ میں وہ مشکلات نہیں ہیں جو پہلے زمانہ میں اَور قوموں کے لئے تھیں۔ گو مَیں سمجھتا ہوں کہ مشکلات کسی نہ کسی رنگ میں ہیں لیکن پہلے جیسی مشکلات ابھی نہیں ہیں۔ لیکن تعجب نہیں کہ وہی مشکلات ہماری قوم کو بھی آجائیں۔ جو پہلی قوموں کو پیش آتی رہی ہیں۔ کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی۔ جب تک کہ اسے اتنی ہی قربانیاں نہ کرنی پڑیں۔

جتنی پہلی قوموں کو کرنی پڑی تھیں۔ پس ہماری ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ابتلاء آئیں اور ایسے ایسے ابتلاء آئیں جن میں جان۔ مال۔ اولاد وطن وغیرہ چھوڑنے پڑیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے لئے خدا کے فضل سے بڑی آسانیاں ہیں۔ کیونکہ ہندوستان میں ایک ایسی گورنمنٹ قائم ہے جس کی وجہ سے ہر طرح کا امن وامان ہے۔ مگر مسیح موعود صرف ہندوستان کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ تمام دنیا کے لئے آئے تھے اور ہماری جماعت صرف ہندوستان میں ہی نہیں ہے بلکہ افغانستان اور دیگر ممالک میں بھی ہے۔ افغانستان میں ہماری جماعت کے لئے وہ آسانیاں نہیں ہیں جو ہمیں یہاں میسّر ہیں۔ بلکہ ان کے لئے بہت مشکلات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ہمارے دو آدمی شہید ہو گئے ہیں مگر تم کوئی قوم ایسی نہ دیکھو گے کہ وہ ایک غالب قوم بنی ہو اور اس کے صرف دو ہی آدمی شہید ہوئے ہوں۔

قوم اس طرح بنا کرتی ہے کہ ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا تیسرے کے بعد چوتھا اور اسی طرح سینکڑوں اور ہزاروں قربان ہوتے ہیں اور جب ایک حصّہ قوم پر مشکل اور مصیبت آتی ہے تو دوسرا حصہ اس کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ ایک حصّہ اپنی جانیں قربان کرتا ہے تو دوسرا حصہ مال قربان کرتا ہے۔ صحابہ کرام کو دیکھو۔ مہاجرین نے اپنے ملک چھوڑے۔ جائدادیں چھوڑیں۔ وطن سے بے وطن ہوئے تو انصار نے اپنی جائدادیں اور مال انہیں بانٹ دیئے۔[1] غرض اگر قوم کے ایک حصہ کو ایک رنگ میں قربانی کرنی پڑتی ہے تو دوسرے کو دوسرے رنگ میں۔ اور ایک حصّہ پر ایک رنگ میں ابتلاء آتا ہے تو دوسرے حصہ پر دوسرے رنگ میں۔

میرا منشاء یہ ہے کہ ہماری جماعت کو ہر وقت ہر ایک قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ اَور بات ہے کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت پر کسی اَور رنگ میں ابتلاء لے آئے۔ یا اپنے فضل سے ایسے ابتلاء لائے جو سخت نہ ہوں۔ مگر انسان کا کام یہی ہے کہ وہ ہر وقت اس بات کے لئے تیار رہے کہ اگر مجھے کسی وقت وطن۔ مال۔ اولاد اور جان قربان کرنا پڑے تو کر دوں گا۔ دیکھو جو سپاہی

---

[1] بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم کتاب الجہاد باب ردّ المہاجرین الی الانصار۔

جنگ میں جاتے ہیں وہ سارے کے سارے مارے نہیں جاتے۔مگر پھر بھی کوئی سپاہی ایسا نہیں ہوتا جو یہ نہ سمجھے کہ جنگ پر میرے لئے موت ضروری ہے اور مَیں مرنے کے لئے جارہا ہوں نہ کہ زندہ واپس آنے کے لئے۔اور جب تک ہر ایک سپاہی کو یہ خیال نہ ہو اس وقت تک وہ کوئی عزت کوئی انعام اور کوئی رتبہ حاصل نہیں کر سکتا لڑائی پر وہی لوگ جاتے ہیں جو موت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سر پر کفن باندھ کر جارہے ہیں۔پھر بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو لڑائی پر جاتے ہیں۔مگر زندہ واپس آجاتے ہیں۔لکھا ہے کہ خالد بن ولید جب فوت ہونے لگے تو آپ کے ایک دوست آپ کو دیکھنے کے لئے آئے اس نے دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں پوچھا کیوں روتے ہیں کہا مجھے شہادت کی بڑی خواہش تھی لیکن افسوس کہ حاصل نہ ہوئی اور بہت سے لوگوں میں کوئی ایک لڑائی میں شریک ہؤا تو شہید ہو گیا۔کوئی دوسری میں شریک ہؤا تو شہید ہو گیا۔اور کوئی تیسری میں شہید ہو گیا۔مگر مَیں اس قدر لڑائیوں میں شریک ہؤا کہ میرے سر سے لے کر پاؤں تک زخم لگے مگر آج میں بستر پر پڑا جان دے رہا ہوں۔مجھے میدانِ جنگ میں موت نصیب نہ ہوئی۔[1] یہ ان کا اخلاص تھا کہ اس طرح کی موت کو وہ پسند کرتے تھے ورنہ میرے نزدیک وہ کئی شہادتیں پا چکے تھے۔تو لڑائی پر جانے والا بھی زندہ واپس آسکتا ہے۔مگر جانتے ہو خالد۔خالد کیوں بنا۔اس کی شہادت ان کی وفات کے وقت کی گفتگو دے رہی ہے کہ وہ ہر جنگ میں اس نیت اور اس ارادہ سے شامل ہوئے کہ مرنے کے لئے جارہا ہوں۔نہ کہ زندہ واپس آنے کے لئے۔ان کی عزّت۔رتبہ۔درجہ اور قبولیت اسی واسطے تھی کہ ہر ایک لڑائی کے وقت انہوں نے یہی سمجھا کہ میری جان دراصل میری نہیں ہے اور مَیں جان دینے چلا ہوں نہ کہ اسے واپس لانے کے لئے اور یہ میرے پاس بطور امانت تھی جسے سپرد کرنے جارہا ہوں۔یہ بات اَور تھی کہ انہوں نے خدا کو اپنی جان ہر بار ہی دی اور خدا نے انہیں واپس دے دی۔لیکن اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے جان دینے میں کوئی کمی نہ کی اور ہر بار ہی ہتھیلی پر رکھ کر دینے کے لئے نکلے۔

[1] اسد الغابہ و تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۱۷۵

تم لوگ یہ بات خوب یاد رکھو کہ بڑے انعاموں کے لئے قربانیاں بھی بڑی ہی کرنی پڑتی ہیں اور یہ قربانیاں صرف مال سے ہی نہیں ہوتیں بلکہ اور بھی بہت طرح سے ہوتی ہیں۔ اب تو ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص چندہ دیتا ہے وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مَیں نے اپنی طرف سے کافی قربانی کر دی ہے لیکن بڑے بڑے انعام اس طرح نہیں ملا کرتے۔ وہ قومیں جنہوں نے بڑے انعامات حاصل کئے ہیں انہوں نے اپنا سب کچھ کیا مال کیا جان کیا اولاد کیا وطن کیا جائدادیں قربان کیا ہے اس وقت اگر ایسی ضرورت نہیں کہ اس طرح کی قربانیاں کی جائیں تو ہر ایک یہ نیت تو کر لے کہ اگر کبھی ضرورت پڑی تو میری عزت میرا وطن میرا مال میری اولاد میرا علم اور میری جان غرضیکہ کسی چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے سے مَیں دریغ نہ کرونگا اور جو کچھ بھی ہوگا سب کچھ خدا کے لئے قربان کرنا پڑے گا تو کر دوں گا۔ اور جب مومن ایسی نیت کر لے تو خدا تعالیٰ اس کو توفیق بھی دے گا۔ اس وقت ہم میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کو کوئی چھوٹا سا ابتلاء آتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں بعض لکھتے ہیں کہ میری تجارت بند ہوگئی اس سے سخت ابتلاء ہے بعض لکھتے ہیں کہ احمدی ہونے کی وجہ سے لڑکی نہیں ملتی۔ جس سے بہت بڑا ابتلاء ہے وغیرہ وغیرہ۔ مَیں کہتا ہوں۔ بھلا یہ باتیں چیز ہی کیا ہیں۔ ان کے مقابلہ میں جو پہلوں کو پیش آئیں اور ان کے مقابلہ میں یہ حیثیت ہی کیا رکھتی ہیں۔

پس تم یہ مت سمجھو کہ تمہارے لئے اسی قسم کے ابتلاء ہیں بلکہ مَیں تو دیکھتا ہوں حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ ابتلاء پر ابتلاء آئیں گے بہت ہیں جو مرتد ہو جائیں گے اور بہت ہیں جو مرتد ہونے کے قریب ہو جائیں گے۔ آپ کے الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لئے ابتلاؤں کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اور بڑے ابتلاء ہیں جن میں جماعت کو ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ پھر جا کر انعام حاصل ہوں گے لیکن موجودہ صورت میں تم ادھر اس عورت کے حوصلہ پر غور کرو۔ جس کا پہلے مَیں نے ذکر کیا۔ اور ادھر اپنی طرف دیکھو کہ اگر کسی کو تبلیغ کے لئے کہیں باہر بھیجنے کا منشاء ہو تو اس کی ماں بیوی اور رشتہ دار شور مچا دیتے ہیں کہ اتنی دور نہ بھیجا جائے۔ ہمارے لئے یہ مشکل ہے یہ تکلیف ہے۔ چنانچہ ایک شخص کو ہم نے کہیں بھیجنے کا ارادہ کیا تو اس کے رشتہ داروں نے کہنا شروع کر دیا کہ اسے باہر نہ بھیجو۔ اس کے علاوہ جو آپ کی مرضی ہے کرو۔ دیکھو اُدھر تو ایک عورت اپنے

ملک کے لئے آٹھ بیٹے دے چکی ہے اور نویں کے لئے کہتی ہے کہ اس کو بھی لے لو۔لیکن ادھر دین کے لئے اتنی کمزوری دکھائی جاتی ہے۔ یاد رکھو اور اس بات کو خوب یاد رکھو کہ بڑی کامیابیوں اور بڑی فتوحات کے لئے بڑی ہی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔اور ہمارے تو اتنے دشمن ہیں کہ ان کے مقابلہ میں ہم ایک قطرہ بھی نہیں ہیں پھر بتاؤ کہ ہمیں کتنی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے اور ہمیں کتنی ہمت اور کیسی کوشش سے کام لینا چاہیئے۔

پس جب تک ہر ایک احمدی یہ نہ سمجھ لے کہ میرے ہی ذمہ سب کام ہیں اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہماری جماعت کو بہت بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے اور اس کے لئے جماعت کو تیار رہنا چاہیئے۔اب وہ زمانہ آ گیا ہے۔جبکہ ہمارے تعلقات دور دراز ملکوں کے لوگوں سے بڑھنے شروع ہو گئے ہیں۔ہم تو خدا کے فضل سے ہر طرح کے امن میں ہیں۔مگر ممکن ہے کہ ہمارے اور ملکوں کے بھائی امن میں نہ رہیں اور ممکن ہے کہ ان کے ابتلاء میں ہمیں بھی حصّہ لینا پڑے۔(مثلاً وہ وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آئیں تو ہم ان کو اپنے اموال میں شریک کریں یا وہاں ان کی آزادیٔ مذہب کے لئے بذریعہ اپنی محسن گورنمنٹ کے چارہ جوئی کریں۔ایڈیٹر)اس کے لئے جماعت کو تیار رہنا چاہیئے۔اور ہر ایک کو اپنے دل میں یہ نیت کر لینی چاہیئے۔کہ خدا کے حضور میری جو قربانی بھی مقدر ہے اس کے لئے مَیں تیار ہوں۔پھر ساتھ ہی ایسے ابتلاؤں میں ثابت قدم رہنے کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنی چاہیئے۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ انسان پر بعض ابتلاء ایسے رنگ میں آتے ہیں کہ اگر انسان ان کے لئے یہ دعا کرے کہ یہ مجھ سے ٹل جائیں تو خدا تعالیٰ ایسے انسان کو اپنے سے بہت دور پھینک دیتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ تم اس سے گھبراتے ہو اور ثابت قدم نہیں رہ کر دکھاتے۔اس لئے مجھ سے دور ہو جاؤ۔تو یاد رکھو کہ ایسے ابتلاؤں کے لئے یہ دعا نہیں کرنی چاہیئے کہ ہم سے ٹل جائیں بلکہ مومن کو چاہیئے کہ ایسی دعاؤں میں لگا رہے کہ اے خدا! اگر کوئی ایسے ابتلاء مجھ پر آنے والے ہوں جو میری طاقت اور ہمت سے بڑھ کر ہوں تو مجھے توفیق دیجیئے کہ مَیں ان میں ثابت قدم رہوں اور ان میں پورا اُتروں۔جب تک کسی انسان میں ایسا ایمان نہیں ہوتا اس وقت تک وہ انسان ہی نہیں ہے اور بندر۔سؤر اور کتّے سے بھی بدتر ہے۔

یہ تو ایک بات تھی جو مَیں نے بیان کر دی ہے اس کے علاوہ ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ قاضی عبد اللہ صاحب کا ولایت سے خط آیا ہے کہ میرا پہلا لیکچر ہؤا۔ جو بہت مقبول ہؤا ہے۔ مجھے تو اس بات پر تعجب ہی تھا کہ قاضی صاحب ولایت جا کر کریں گے کیا۔ کیونکہ انہوں نے یہاں کبھی کوئی لیکچر نہ دیا تھا اور نہ کبھی کسی مضمون پر بولے تھے۔ انہیں بہت حجاب تھا۔ چوہدری فتح محمد صاحب کی امداد کے لئے پہلے تو اَور کئی تجویزیں دل میں آئیں مگر پھر یکلخت میرے دل میں یہ پڑا۔ کہ قاضی صاحب کو بھیج دوں۔ میرے ان کو بھیجنے کے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ انہوں نے یہاں تعلیم پائی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت میں رہے تھے۔ مَیں نے خیال کیا کہ خدا تعالیٰ ایسے انسان میں خود برکت ڈال دے گا۔ چنانچہ آج ہی ان کا خط آیا ہے کہ ایک کامیاب لیکچر ہؤا ہے اور لیکچر کے بعد ایک گھنٹہ تک سوال و جواب ہوتے رہے ہیں جن کا بہت عمدہ اثر ہؤا۔ اور لیکچر بہت پسند کیا گیا۔ چوہدری فتح محمد صاحب وہاں سے چل پڑے ہیں آپ لوگ ان کے لئے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ انہیں بخیریت یہاں پہنچائے۔ آج ولایت سے دو اَور آدمیوں نے بیعت کے فارم پُر کر کے بھیجے ہیں اور اب وہاں بارہ ۱۲ احمدی ہو گئے ہیں۔ غیر احمدی اس بات سے چڑا کرتے ہیں کہ تم لوگ مرزا صاحب کو حضرت مسیحؑ سے افضل کیوں کہتے ہو۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے تین سال کے عرصہ میں صرف تیرہ حواری تیار کئے تھے جن میں سے ایک مرتد ہو گیا تھا۔ مگر اب دیکھو کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک شاگرد نے اس سے نصف عرصہ میں یعنی ڈیڑھ سال میں بارہ احمدی بنا لئے ہیں کیا اب بھی کسی کو مسیح موعودؑ کا مسیحؑ سے افضل ہونا معلوم نہیں ہوتا؟

اخیر میں مَیں پھر اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ گو ہم نے تبلیغ کے لئے باہر مبلغ بھیجے ہوئے ہیں لیکن یہ انتظام ایک بہت چھوٹے پیمانہ پر ہے اصل تبلیغ وہی ہے جو ہر ایک احمدی کرتا ہے اور جو سمندر کی لہروں کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلتی جاتی ہے۔ پس ہر ایک شخص خواہ باتوں سے خواہ کتابوں اور اشتہاروں سے جس طرح بھی ہو سکے تبلیغ کرے۔ اور جب قوم کا ہر ایک فرد مبلّغ ہو اس وقت کامیابیاں ہوتی ہیں اس لئے اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ہر ایک شخص سمجھے کہ تبلیغ کا سارا بوجھ

اسی کے سر پر ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جس نے یہ کام کرنا ہے۔ پھر وہ ہر ایک قربانی کے لئے تیار رہے۔ جب قوم کی ایسی حالت ہو جائے گی تو خدا تعالیٰ سے انعام پر انعام ملنے شروع ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعام بہت عجیب چیز ہوتے ہیں ان کے ملنے سے پہلے انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **لا عین رأتْ ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر**[1] کہ خدا تعالیٰ کے انعام ایسے ہیں کہ جو نہ کسی نے دیکھے اور نہ سُنے اور نہ کسی کے دل میں ان کے متعلق خیال آیا اسی طرح خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (السجدہ:۱۸) کہ انسان کو اس چیز کا پتہ ہی نہیں جسے خدا نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تیار کیا ہے اس کو اس کا علم ہی نہیں لیکن افسوس۔ کہ خدا تعالیٰ کے انعاموں کے حاصل کرنے کی بہت کم لوگ کوشش کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنے فضل اور رحم کے ماتحت آپ سب لوگوں کو کامل ایمان کے درجہ پر پہنچائے تاتم خدا کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروانہ کرو۔

(الفضل ۲۲ رفروری ۱۹۱۶ء)

---

[1] بخاری کتاب التفسیر و مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا۔